اسلام میں عبادت کا تصور اور اس کے مقاصد

The concept of worship in Islam and its Objectives

Dr. Shazia
Assistant Professor, Department of Islamic Studies, GCWUF
Email: shazia.adnan81@gmail.com
Sania Nawaz
M.Phil Scholar, Department of Islamic Studies, GCWUF
Email: sanianawaz511@gmail.com

Abstract
In Islam, the concept of worship holds fundamental significance, serving as a means to strengthen the bond between humans and their Creator, attain spiritual tranquility, and enhance moral and social life. Worship is not limited to specific acts or rituals; rather, it is a comprehensive concept that encompasses every aspect of life. This study highlights the Qur'anic and Prophetic understanding of worship and explores its various dimensions, such as prayer, fasting, almsgiving, pilgrimage, and other virtuous deeds, emphasizing their positive impacts on both individual and collective life. Furthermore, the objectives of worship, such as seeking Allah's pleasure, achieving piety, and serving humanity, are also discussed. The aim of this study is to clarify the broad and practical aspects of worship, enabling a deeper understanding of Islamic teachings.
Keywords: Worship, Concept, Islam, Objectives

آج مسلمانوں کی اکثریت جہاں زندگی کے دیگر معاملات میں افراط و تفریط کا شکار ہیں وہیں عبادات کے سلسلے میں بھی وہ اعتدال و توازن سے دور ہیں، ایک طبقہ یہ سمجھتا ہے کہ عبادات ہی کامل دین ہیں، جس نے نماز ادا کرلی، روزہ رکھ لیا اور مال دار ہونے کی صورت میں زکوۃ ادا کردی اور حج کیا اس نے گویا مکمل دین پر عمل کرلیا؛ حالانکہ قرآن و حدیث کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ عبادات مقاصد بھی ہیں اور ذرائع بھی، کسی ایک چیز کے مقصد اور ذریعہ ہونے کے درمیان کوئی تضاد نہیں ہے، بعض حیثیتوں سے ایک چیز مقصود ہو سکتی ہے اور وہی چیز بعض دوسری حیثیتوں سے ذریعہ بن سکتی ہے۔

عبادت کی تعریف:

عبادت کے لغوی معنی کسی کی تعظیم کی غرض سے تواضع و انکساری اختیار کرنا ہے اور یہ صرف اللہ کے لیے ہے، کبھی عبادت کو طاعت و فرماں برداری کے معنی میں بھی استعمال کیا جاتا ہے۔(۱)

اصطلاحی معنی کئی ایک ہیں: (۱) خضوع کے آخری درجہ کو اللہ کے لیے اختیار کرنا، (۲) رب کی تعظیم کے لیے اپنے نفس کے خلاف کام کرنا، (۳) ایسا فعل جس سے صرف اللہ کی تعظیم ہوتی ہو، ہر اس امر کو بجالانا جس سے اللہ راضی ہوتا ہو۔ **(۲)**

عبادت کا مفہوم:

عبادت کا لفظ تین معانی پر مشتمل ہے: (۱) پرستش، (۲) غلامی، (۳) اطاعت، خدا کے واحد پروردگار ہونے سے لازم آتا ہے کہ انسان اسی کا شکر گزار ہو، اسی سے دعائیں مانگے اور اسی کے آگے عقیدت و محبت سے سر جھکائے، یہ عبادت کا پہلا مفہوم ہے۔ انسان خدا کا بندہ و غلام بن کر رہے، اس کے مقابلے میں خود مختارانہ رویہ نہ اختیار کرے اور اس کے سوا کسی اور کی غلامی قبول نہ کرے یہ عبادت کا دوسرا مفہوم ہے، انسان خدا کے حکم کی اطاعت اور اس کے قانون کی پیروی کرے نہ خود اپنا حکمراں بنے اور اس کے سوا کسی دوسرے کی حاکمیت تسلیم کرے یہ عبادت کا تیسرا مفہوم ہے۔ **(۳)**

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

"يٰأَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ" **(۴)**

اے لوگو! اپنے رب کی عبادت کرو جس نے تم کو ایک جان سے پیدا کیا۔

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ (م:۷۲۸ھ) سے ایک دفعہ کسی شخص نے پوچھا کہ: "یایہا الناس اعبدوا ربکم" میں جس عبادت کا حکم دیا گیا ہے، اس کا کیا مفہوم ہے؟ آپ نے اس مسئلہ پر مفصل تقریر فرمائی جو **رسالہ "العبودیہ"** کی شکل میں موجود ہے، یہ رسالہ عبادات کی حقیقت و مقاصد پر روشنی ڈالتا ہے، اس کی ابتدا میں **ابن تیمیہ** نے لکھا ہے:

"عبادت ایک ایسا جامع لفظ ہے اس کے اندر وہ تمام ظاہری و باطنی اقوال و افعال داخل ہیں جو اللہ تعالیٰ کو پسند ہیں اور اس کی خوشنودی کا باعث ہیں مثلاً: نماز، روزہ، زکوۃ، حج، راست گوئی، امانت داری، اطاعت والدین، ایفائے عہد، امر بالمعروف، نہی عن المنکر، جہاد فی سبیل اللہ، پڑوسیوں، مسکینوں اور ماتحتوں کے ساتھ حسن سلوک، جانوروں کے ساتھ اچھا برتاؤ، دعاء، ذکر الٰہی، تلاوت قرآن اور اس قسم کے تمام اعمال صالحہ عبادات کے اجزاء ہیں۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی محبت، رحمت خداوندی کی امیدوار اور عذاب الٰہی کا خوف، خشیت، انابت، اخلاص، صبر و شکر، توکل اور تسلیم و رضا وغیرہ ساری اچھی صفات عبادات میں شامل ہیں۔" (۵)

دین میں عبادات کا مقام:

دین میں عبادات کو ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت حاصل ہیں، عبادات کے بغیر دین کو صحیح صورت پہ باقی رکھنا ممکن نہیں، اگرچہ دین کے تمام احکام کی تعمیل لوجہ اللہ عبادت ہے مگر عام طور پر مشہور عبادتیں: نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج کے اندر جو ملأ اعلیٰ سے ربط اور مناسبت پیدا کرنے کی تاثیر اور انسان کے روحانی اور ملکوتی پہلو کی ترقی اور تکمیل کی خاصیت ہے وہ کسی دوسرے عمل میں نہیں۔ ان کو عبادات میں وہی مقام حاصل ہے جو اعضاء جسم میں قلب و دماغ کو ہے اسی بنا پر ان کو خاص اہمیت دی گئی ہے اور ان پر اسلام کی بنیاد رکھی گئی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

"بني الاسلام على خمس شهادة أن لا اله الا لله وان محمدًا عبده ورسوله و اقام الصلاة، و ايتاء الزكاة والحج والصوم". (۶)

اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے، اس بات کی شہادت دینا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں، نماز قائم کرنا، زکوٰۃ ادا کرنا، حج کرنا اور رمضان کے روزے رکھنا۔ یہ بنیادی عبادات ہیں؛ لیکن ان کا دائرہ محدود نہیں ہے؛ بلکہ بے حد وسیع ہے، انسان کے لیے ضروری ہے کہ اہم عبادات کے ذریعے اپنی ساری زندگی کو کامیاب بنائے اور پھر اصل مقصود جو رضاء الٰہی ہے وہ حاصل کرے، بقول آزاد قرآن کہتا ہے: "اصل دین خدا پرستی اور نیک عمل ہے۔"(۷)

عبادت کا غلط مفہوم:

آج ہمارے یہاں عبادت کا حلیہ بگڑا ہوا ہے، اس کا سب سے زیادہ نمایاں مظہر یہ ہے کہ ہم نے عبادات کو صرف چند اعمال اور مراسم عبودیت کے ساتھ خاص کر لیا ہے اور یہ سمجھ لیا کہ بس ان کی ادائیگی پر عبادت منحصر ہے، بقیہ زندگی اس سے بالکل خالی ہے، نماز کو ہم عبادت سمجھتے ہیں اور صحیح سمجھتے ہیں، روزہ عبادت ہے، زکوٰۃ عبادت ہے، حج عبادت ہے۔ بلاشبہ یہ سب عبادات ہیں، لیکن جب دین کو ان میں منحصر کر لیا جائے اور یہ تصور قائم کر لیا جائے کہ بس ان کو بجالانے سے ہم حق عبودیت سے عہدہ برآ ہو گئے یہ بالکل غلط تصور ہو گا، چونکہ بقول ڈاکٹر اسرار احمد "اگر ان عبادات کے متعلق یہ سمجھ لیا جائے کہ بس ان کو ادا کرنے سے عبادت کا حق ادا ہو گیا، تو تصور دین محدود ہی نہیں؛ بلکہ مسخ ہو جائے گا"(۸)

عبادت پوری زندگی میں خدا کے سامنے بچھ جانے کا نام ہے؛ زندگی کے ہر معاملے اور ہر گوشے کو اللہ کے حکم کا مطیع بنادینا اور اپنی آزادی، اپنی خود مختاری، اپنی پسند اور ناپسند کو اللہ کی مرضی کے تابع بنادینا اسی رویہ اور طرز عمل پر کاربند ہونا، زندگی کے تمام افعال و اعمال میں سر تسلیم خم کرنا ہی عبادت ہے۔

اسلام میں عبادت کا تصور:

انسان کے مذہبی تصورات میں عبادت کا تصور سب سے پہلا اور اہم تصور ہے، بلکہ زیادہ صحیح یہ ہے کہ مذہب کا بنیادی تصور عبادت ہی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج تک نوع انسانی کے جتنے مذاہب کا پتہ چلا ہے، عام اس سے کہ وہ انتہا درجے کی وحشی اقوام کے خرافات و اوہام ہوں۔ یا اعلیٰ درجے کی متمدن اقوام کے پاکیزہ معتقدات، ان میں سے ایک بھی عبادت کے تصور و تخیل سے خالی نہیں۔ علم الانسان اور آثار قدیمہ کی تلاش و جستجو کے سلسلے میں پرانی سے پرانی تہذیب کی حامل قوموں کے جو حالات معلوم ہوئے ہیں وہ اس امر کی شہادت دیتے ہیں کہ گو وہ قومیں عقل و شعور کے بالکل ابتدائی درجے میں تھیں لیکن اس حالت میں بھی انھوں نے اپنی بساط بھر کسی نہ کسی کو ضرور معبود بنایا ہے، اور کوئی نہ کوئی طریق عبادت ضرور اختیار کیا ہے۔

عبادت کا تصور دراصل ایک جامع تصور ہے جو دو ذیلی تصورات کے امتزاج سے مکمل ہوتا ہے، ایک بندگی، دوسرے پرستش، بندگی کے معنی ہیں کسی بالاتر قوت کی بڑائی تسلیم کرکے اس کی فرمانبرداری و اطاعت کرنا۔ اور پرستش کے معنی ہیں کسی بالاتر ہستی کو پاک، مقدس اور بزرگ سمجھ کر اس کے آگے سر نیاز جھکا دینا اور اسے پوجنا۔ ان میں سے پہلا تصور عبادت کا ابتدائی اور بنیادی تصور ہے اور دوسرا تصور انتہائی اور تکمیلی۔ پہلا زمین کی حیثیت رکھتا ہے اور دوسرا عمارت کی۔ اس لیے ہمیں اپنی تحقیق کی ابتدا پہلے تصور سے کرنی چاہیے۔(۹)

بندگی:

بندگی یا فرمانبرداری و اطاعت ہمیشہ اس قوت کے مقابلے میں کی جاتی ہے جو بندگی کرنے والے پر قہر و غلبہ اور قدرت و استیلا رکھتی ہو، اور بندے یا مطیع میں اس کے حکم سے سرتابی کا یارانہ ہو۔

جیسا کہ حکومت کی مثال ہے کہ قانون کی اطاعت دراصل قانون کی اطاعت نہیں بلکہ اس حکومت کی اطاعت ہے جس نے اپنے قہر و غلبے سے اس قانون کو نافذ کیا ہے، اور حکومت کا نظم و ضبط قائم کرنے کے لیے لا محالہ ایک حاکم، ایک مرکزی فرمانروا، ایک مقتدرِ اعلیٰ ہستی کا وجود ضروری ہے، بالکل اسی طرح قانون فطرت کی اطاعت بھی دراصل اس غالب و قاہر حکومت کی اطاعت ہے جو اس قانون کو بنانے اور زور و قوت سے اس کو چلانے والی ہے، اور یہ حکومت ایک فرمانروا کے دست قدرت میں ہے جس کے بغیر اتنا بڑا عالمگیر نظام ایک لمحے

کے لیے بھی نہیں چل سکتا۔ یہاں اگر ہم قانونی لفظ "اطاعت" کو مذہبی اصطلاح "عبادت" سے بدل دیں اور لفظ "حاکم" کی جگہ "اللہ" یا "خدا" کا لفظ رکھ دیں تو یہ کہہ سکتے ہیں کہ ساری کائنات اور اس کی ہر ہر چیز اللہ کی عبادت کر رہی ہے، اور یہ ایسی عبادت ہے جس پر ہر شے کے وجود و بقا کا انحصار ہے۔ کائنات کی کوئی شے اور مجموعی طور پر ساری کائنات اللہ کی عبادت سے ایک لمحے کے لیے بھی غافل نہیں ہو سکتی، اور اگر غافل ہو جائے تو ایک لمحے کے لیے بھی باقی نہیں رہ سکتی۔(۱۰)

قرآن مجید میں اس بندگی کو کہیں عبادت سے تعبیر کیا گیا ہے، کہیں تسبیح و تقدیس سے، کہیں سجود سے، اور کہیں قنوت سے۔ چنانچہ جگہ جگہ اس مضمون کی آیات آتی ہیں:

" وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ" (۱۱)

میں نے جن اور انسان کو اسی لیے پیدا کیا ہے کہ میری عبادت کریں۔) (ترجمہ

"وَلَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَمَنْ عِنْدَهٗ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَلَا يَسْتَحْسِرُوْنَ يُسَبِّحُوْنَ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ لَا يَفْتُرُوْنَ" (۱۲)

ترجمہ (آسمانوں اور زمین میں جس قدر مخلوقات ہیں اور جو خدا کے پاس حاضر ہیں سب اسی کے ہیں اور اس کی عبادت سے سرتابی نہیں کرتے اور نہ تھکتے ہیں۔ رات دن اس کی تسبیح میں لگے ہوئے ہیں اور کبھی اس سے کاہلی نہیں کرتے)

پرستش اور بندگی کی یکجائی:

پرستش دراصل بندگی کی فرع ہے اور اپنی عین فطرت کے اقتضا سے اپنی اصل کے ساتھ رہنا چاہتی ہے۔ جب انسان اپنے جہل اور بے خبری کی بنا پر فرع کو اصل سے جدا کرتا ہے۔ بندگی ایک کی کرتا ہے اور پرستش دوسرے کی تو یہ تفریق سراسر فطرت کے خلاف واقع ہوتی ہے اور ایک نہایت خفی و غیر محسوس تحت الشعوری بے اطمینانی پیدا ہو جاتی ہے۔ بخلاف اس کے جب نادانی کا پردہ درمیان سے اٹھ جاتا ہے۔ انسان کو اس حقیقت کا علم ہو جاتا ہے کہ معبود وہی ہے جو مالک اور خالق اور پروردگار ہے۔ تو بندگی اور پرستش دونوں یکجا ہو جاتی ہیں، فرع اصل سے مل جاتی ہے، بیٹی اپنی ماں کی آغوش میں پہنچ جاتی ہے، اور اس وصال سے وہ لطف، وہ مزا، وہ اطمینان قلب حاصل ہوتا ہے جو ہجر و فراق کی حالت میں مفقود تھا۔ بندگی اور پرستش کی یہی مواصلت ہے جس سے انسان کو دوسری مخلوقات پر شرف حاصل ہوتا ہے، اور وہ اس مرتبہ پر پہنچتا ہے جسے خدا نے اپنی خلافت و نیابت قرار دیا ہے۔

خدا کی بندگی تو انسان آپ سے آپ بلا عمد و اختیار، بغیر جانے بوجھے کر ہی رہا ہے، اور ٹھیک اسی طرح کر رہا ہے جس طرح لایعقل حیوان، بے شعور درخت، بے جان پتھر کر رہے ہیں۔ اس حیثیت سے اس میں اور دوسری مخلوقات میں کوئی فرق نہیں۔ اور اس بندگی کا جو انعام ہے یعنی فیضانِ وجود اور عطائے رزق، اس میں بھی وہ فی الحقیقت دوسری مخلوقات سے ممتاز نہیں ہے۔ فرق و امتیاز اور برتری و شرف جو کچھ ہے، اس امر میں ہے کہ دوسری موجودات کے برخلاف جو عقل و شعور، جو آزادئ ارادہ و اختیار، اور جو قوت علمیہ انسان کو دی گئی ہے اس سے کام لے کر وہ اس کو پہچانے جس کا وہ بندہ ہے، اور بالا اختیار بھی اسی کی عبادت اور پرستش کرے جس کی وہ بلا اختیار بندگی کر رہا ہے۔ اگر اس نے ایسا نہ کیا اور اپنی عقل اور قوت علمیہ سے اپنے مالک کی معرفت حاصل نہ کی، اور اپنے اختیار کے حدود میں اس کو چھوڑ کر دوسروں کی عبادت اور پرستش شروع کر دی تو شرف کیسا، وہ تو جانوروں سے بھی بدتر ہو گیا۔

اوپر جو کچھ کہا گیا ہے اس کے مطالعے سے معلوم ہو چکا ہے کہ عبادت کے اجزائے معنوی دو ہیں جن کی ترکیب سے عبادت کا مفہوم مکمل ہوتا ہے، ایک بندگی یعنی قانون فطرت کی ٹھیک ٹھیک پیروی اور اس سے منحرف نہ ہونا۔ دوسرے پرستش جو اپنی تکمیل کے لیے دو چیزوں کی محتاج ہے۔

عبادت کی حقیقت:

غلط کہتا ہے جو کہتا ہے کہ یہ عبادت صرف تسبیح و مصلّٰی اور خانقاہ تک محدود ہے۔ مومن صالح صرف اسی وقت اللہ کا عبادت گزار نہیں ہوتا جب وہ دن میں پانچ وقت نماز پڑھتا ہے، اور بارہ مہینوں میں ایک مہینے کے روزے رکھتا ہے اور سال میں ایک وقت زکوٰۃ دیتا ہے اور عمر بھر میں ایک مرتبہ حج کرتا ہے، بلکہ درحقیقت اس کی ساری زندگی عبادت ہی عبادت ہے۔ جب وہ کاروبار میں حرام کے فائدوں کو چھوڑ کر حلال روزی پر قناعت کرتا ہے تو کیا وہ عبادت نہیں کرتا؟ جب وہ معاملات میں ظلم اور جھوٹ اور دغا سے پرہیز کر کے انصاف اور راستبازی سے کام لیتا ہے تو کیا یہ عبادت نہیں ہے؟ جب وہ خلق خدا کی خدمت اور حقداروں کی حق رسانی کے لیے کمربستہ ہوتا ہے تو کیا اس کی ہر حرکت عین عبادت نہیں ہوتی؟ جب وہ اپنے افعال و اقوال میں خدا کے قانون کی پیروی کرتا اور اس کی حدود کا لحاظ رکھتا ہے تو کیا اس کا ہر قول و فعل عبادت میں شمار نہ ہو گا؟ پس حق یہ ہے کہ اللہ کے قانون کی پیروی اور اس کی شریعت کے اتباع میں انسان دین اور دنیا کا جو کام بھی کرتا ہے وہ سراسر عبادت ہے، حتیٰ کہ بازاروں میں اس کی خرید و فروخت اور اپنے اہل و عیال میں اس کی معاشرت اور اپنے خالص دنیوی اشغال میں اس کا انہماک بھی عبادت ہے۔

مگر یہ عبادت کا ادنیٰ مرتبہ ہے۔ اس عبادت کی مثال ایسی ہے جیسے رعیت کے عام افراد اپنے بادشاہ کے قانون کی پیروی اور اس کے فرامین کی اطاعت کرتے ہیں۔ اس سے بڑا درجہ یہ ہے کہ انسان اپنے مالک کا نوکر بن جائے اور اس کے قوانین کی نہ صرف خود پیروی کرے بلکہ دوسروں پر بھی ان کو نافذ کرنے کی کوشش کرے، اس کے احکام پر نہ صرف خود عامل ہو بلکہ دنیا میں ان کے اجرا کے لیے بھی جدوجہد کرے، اس کی حکومت میں نہ صرف خود امن اور وفاداری اور اطاعت کیشی کے ساتھ رہے بلکہ اپنے دل و دماغ اور دست و بازو کی قوتیں امن کے قیام میں، بگڑی ہوئی رعایا کی اصلاح میں اور باغی و سرکش بندوں کی سرکوبی میں بھی صرف کرے اور اس خدمت میں اپنا تن من دھن سب کچھ نثار کر دے۔

"اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ" (۱۳)

(وہ جن کو اگر ہم زمین میں طاقت بخشیں گے تو وہ نماز قائم کریں گے، زکوٰۃ دیں گے، نیکی کا حکم کریں گے اور بدی سے روکیں گے۔)

یہ ہے اس عبادت کی حقیقت جس کے متعلق لوگوں نے سمجھ رکھا ہے کہ وہ محض نماز، روزہ اور تسبیح و تہلیل کا نام ہے اور دنیا کے معاملات سے اس کو کچھ سروکار نہیں، حالانکہ دراصل صوم و صلوٰۃ اور حج و زکوٰۃ اور ذکر و تسبیح انسان کو اس بڑی عبادت کے لیے مستعد کرنے والی تمرینات ہیں جو انسان کی زندگی کو حیوانی زندگی کے ادنیٰ مقام سے اٹھا کر انسانی زندگی کے بلند ترین مقام پر لے جاتی ہیں، اس کو اضطرار و اختیار دونوں میں اپنے مالک کا مطیع و فرمانبردار بندہ بنا دیتی ہیں، اور اسے بادشاہ حقیقی کی سلطنت کا ایسا ملازم بناتی ہیں کہ اس کی خدمت وہ اپنے جسم و جان کی ساری قوتوں کے ساتھ اپنی زندگی کے ہر لمحے میں کرتا ہے۔ جب انسان عبادت سے اس مرتبے پر پہنچ جاتا ہے تو اس کو وہ شرف حاصل ہوتا ہے جس میں کائنات کی کوئی مخلوق اس کی ہمسری کا دعویٰ نہیں کر سکتی۔(۱۴)

عبادات مقصود بالذات ہیں: ارکان اربعہ: نماز، روزہ، زکوٰۃ و حج کے فرض اور مقصود بالذات ہونے کے دلائل اتنے واضح اور قطعی ہیں کہ تمام علمائے امت اس بات پر متفق ہیں، مفسرین و محدثین، ائمہ فقہ اور دیگر معتمد علیہ علمائے دین میں سے کسی نے بھی اس سے اختلاف نہیں کیا۔ علمائے امت کا یہ اجماع عبادات کے مقصود بالذات ہونے کی ایک بڑی دلیل ہے۔ اس سلسلے میں سطور ذیل میں قرآن کریم اور احادیث رسول سے چند نصوص کو پیش کیا جا رہا ہے۔

جن و انس کی تخلیق کا مقصد:

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

"وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ والانسَ الاَّ لِيَعْبُدُوْن"(۱۵)

اور میں نے جنّ اور آدمی اتنے ہی (اسی لئے) بنائے کہ میری بندگی کریں۔

جب خالق نے خود ہی بتادیا کہ مقصد تخلیق صرف اس کی عبادت ہے، تو عبادات کے مقصود بالذات ہونے میں کوئی شک وشبہ باقی نہ رہا، آیت مذکورہ میں لفظ عبادت اپنے وسیع مفہوم میں استعمال ہوا ہے، یعنی رب کی بندگی اور اس کی اطاعت و فرماں برداری؛ لیکن اس میں بھی کوئی شبہ نہیں کہ پرستش لفظ عبادت کا اولین اور اس کے معانی میں سب سے نمایاں معنی ہے، اس سے معلوم ہوا کہ فقہی اصطلاح میں جن چیزوں کو عبادات کہا جاتا ہے انھیں ادا کرنا مقصد تخلیق کی تکمیل کا اولین مرحلہ ہے انھیں ادا کیئے بغیر مقصد زندگی کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، انسان اللہ کے سوا کسی اور کے احکام کی اطاعت و فرماں برداری کے لیے نہیں پیدا کیا گیا، اس کا کام کسی اور کے آگے جھکنا، اس کے احکام بجالانا، کسی اور کے بنائے ہوئے دین کی پیروی کرنا، کسی دوسرے کو اپنی قسمت کا بنانے والا یا بگاڑنے والا سمجھنا، اسی طرح دوسروں سے مرادیں طلب کرنا نہیں ہے۔

وہ صرف اللہ کی پرستش کرے، صرف اسی کی اطاعت و فرماں برداری کرے اس کے بھیجے ہوئے دین کی پیروی کرے، یہی اس کے تخلیق کا مقصد ہے۔

اسی طرح ایک آیت میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَمَا جَعَلْنَا عَلَى الأرضِ زِيْنَةً لَّهَا لِنَبْلُوَكُمْ أَيُّكُمْ أَحْسنُ عملاً"(۱۶)

اور یقیناً ہم نے بنادیا ہے جو کچھ زمین پر ہے اسے اس کا بناؤ سنگھار تاکہ ہم انھیں آزمائیں کہ ان میں کون بہتر ہے عمل میں.

ایک دوسری آیت میں ہے:

"اَلَّذي خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيَاةَ لِيَبْلُوَكُمْ أَيُّكُمْ أَحْسَنُ عَمَلاً"(۱۷)

جس نے موت اور زندگی کو ایجاد کیا تاکہ تم لوگوں کو آزما کر دیکھیں تم میں سے کون بہتر عمل کرنے والا ہے۔

ان دونوں آیتوں میں زمین کی نعمتوں اور موت و حیات کی تخلیق کا مقصد یہ بتایا گیا ہے کہ انسانوں کی آزمائش کی جائے، حسن عمل یا عمل صالح مقصد تخلیق کی دوسری تعبیر ہے جو "عبادت" سے مختلف اور متضاد نہیں، اب یہاں یہ جاننے کی ضرورت ہے کہ اچھے اعمال کے وہ ستون کیا ہیں جس کے بغیر کسی کے اسلام کا کوئی اعتبار نہیں ہے، اچھے اعمال کی بنیادیں کیا ہیں جن سے تمام دوسرے اعمال کی شاخیں پھوٹتی ہیں، کتاب و سنت کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اچھے اعمال کے ستون نماز، روزہ، زکوۃ اور حج ہیں۔ انھیں چاروں پر اسلام کی پوری عمارت کھڑی ہوئی ہے مقصد تخلیق کی اس تعبیر سے بھی معلوم ہوا کہ عبادات مقصود بالذات ہیں؛ کیوں کہ ان کے بغیر کوئی بھی شخص امتحان میں کامیاب نہیں ہو سکتا۔

بعض روایات میں ہے کہ:

ایک مرتبہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ یا رسول اللہ! اچھے اعمال والے لوگ کون ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"أحسنكم عقلاً، وأورعكم عن محارم الله وأسرعكم في طاعته"(۱۸)

جس کی سمجھ سب سے اچھی ہو، جو حرام سے سب سے زیادہ پرہیز کرے اور خدا کی فرماں برداری کی طرف لپکنے میں سب سے زیادہ جلدی دکھائے۔

قرآن مجید کی متعدد آیتوں میں اقامت صلاۃ اور ایتاء زکاۃ یا انفاق فی سبیل اللہ کا ذکر کیا گیا ہے اس کی وضاحت کرتے ہوئے اور اس کی حکمت پر روشنی ڈالتے ہوئے مولانا امین احسن اصلاحی نے لکھا ہے:

"ایمان محض کسی تصور کا نام نہیں ہے؛ بلکہ اس کی اصل حقیقت وہ تصدیق ہے جو دل کی گہرائیوں میں اترتی ہوئی ہوتی ہے اور جو آدمی کے ارادے کو حرکت میں لاتی ہے یہ ارادہ آدمی کو بہت سے کاموں کے کرنے اور بہت سی چیزوں کے چھوڑنے پر آمادہ کرتا ہے یہاں کرنے کے کاموں میں سے صرف دو ہی کا ذکر کیا گیا ہے، ایک نماز قائم کرنے کا دوسرے اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کا، اس سے یہ اشارہ نکلتا ہے کہ یہ دونوں کام تمام نیکیوں کی جڑ اور تمام بھلائیوں کی بنیاد ہیں۔"(۱۹)

صرف نماز کے تدبر سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اسلام کی بنیادی نیکیوں کی حیثیت نماز اور زکوٰۃ کو حاصل ہے، دوسری نیکیاں انھی دو بڑی نیکیوں کے تحت ہیں؛ بلکہ انھیں سے پیدا ہوتی ہیں؛ چنانچہ قرآن کے بے شمار مقامات میں ان دونوں کا ذکر اس طرح آیا ہے کہ ان کا ذکر آ گیا تو گویا سب کا ذکر آ گیا مثلاً:

"فانْ تَابُوْا و اقامُوا الصَّلاۃَ و آتوا الزکوٰۃ فاخْوَ انُکُمْ فِي الدِّیْنِ"(۲۰)

(اگر وہ توبہ کر لیں اور نماز قائم کریں اور زکوۃ دیں تو تمہارے دینی بھائی بن گئے)

حضرت اسماعیل کی تعریف میں فرمایا گیا:

"كانَ يَأْمُرُ أهْله بِالصَّلاَةِ والزَّكَاةِ وكانَ أمرُه عِنْدَ رَبِّه مَرْضِيًا"(۲۱)

(اور وہ اپنے کنبہ کو نماز اور زکوۃ کا حکم دیتا تھا اور اپنے رب کے نزدیک پسندیدہ تھا)۔

مذکورہ بالا آیات میں اگرچہ نماز اور زکوۃ کا ذکر ہے؛ لیکن ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ صرف یہی دو چیزیں مراد نہیں ہیں؛ بلکہ دوسری نیکیاں بھی مراد ہیں؛ لیکن ان ساری نیکیوں کی جڑیں دونوں چیزیں ہیں تو جب ان کا ذکر آ گیا تو شاخوں کا ذکر خود بخود ہو گیا، ان دونوں چیزوں کی حقیقت پر غور کیجئے تو معلوم ہو گا کہ فی الواقع دین میں ان کی حیثیت بھی یہی ہونی چاہئے، ایک آدمی کو اللہ تعالیٰ کا ٹھیک بندہ بننے کے لیے آخر کس چیز کی ضرورت ہے اسی کی

کہ ایک طرف وہ اپنے رب سے ٹھیک ٹھیک جڑ جائے اور دوسری طرف خلق سے اس کا تعلق صحیح طور پر ہو جائے نماز انسان کو خدا سے صحیح طور پر جوڑ دیتی ہے اور زکاۃ سے انسان کے ساتھ اس کا تعلق صحیح بنیاد پر قائم ہو جاتا ہے، ایک شخص اگر اپنے رب کے حقوق کو ادا کرتا ہے اور ساتھ ہی اس کی مخلوق کے حقوق کو بھی بجالاتا ہے تو وہ تمام نیکیوں کی کنجی پا گیا۔ انہی دو مدد سے وہ دوسری نیکیوں کے دروازے بھی کھول لے گا۔

ظاہر ہے کہ جن چیزوں پر پورے دین و شریعت کا دارومدار ہو، ان کا مقصود بالذات ہونا ایک ایسی بات ہے جس میں شک وریب کی یکسر گنجائش نہیں۔

سورت توبہ کی آیت نمبر ۱۱ میں بیان کیا گیا ہے۔

"فانْ تَابُوْا و اقامُوا الصَّلاۃَ و آتوا الزکوٰۃ فاخْوَانُکُمْ فِي الدِّیْنِ"

(اگر وہ توبہ کرلیں اور نماز قائم کریں اور زکوۃ دیں تو تمہارے دینی بھائی بن گئے)

ظاہر ہے کہ جن چیزوں کو دین میں یہ مقام حاصل ہو وہ خود مقصود نہ ہوں؛ بلکہ محض ذریعہ ہوں یہ کیسے ممکن ہے۔ آخرت میں اللہ تعالیٰ کا تقرب اور اس کی رضا کا حصول مومن کا آخری مقصود ہے یہ گوہر مقصود نماز میں مل جاتا ہے، قرآن میں ہے: "وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ" (۲۲) (اور سجدہ کرو اور نزدیک ہو) یعنی جہاں چاہو شوق سے عبادت کرو اور اس کی بارگاہ میں سجدہ ریز ہو کر بیش از بیش قربت حاصل کرو، حدیث میں آیا ہے کہ "بندہ سب حالتوں سے زیادہ سجدہ میں اللہ تعالیٰ سے قریب ہوتا ہے۔ (مسلم)

اس آیت اور حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز اور سجدۂ نماز بذات خود قرب الٰہی ہے، نماز میں کھڑے ہوئے اور بارگاہِ الٰہی میں پہنچ گئے اس کے آگے سجدہ ریز ہوئے اور اس سے قریب تر ہو گئے نماز کے مقصود بالذات ہونے کی اس سے بڑی اور کیا دلیل ہو گی؟ نماز ایمان سے اس قدر قریب ہے اور اس کی اتنی بڑی علامت ہے کہ سورۃ البقرۃ آیت ۱۴۳ میں نماز کے لیے ایمان کا لفظ استعمال کیا گیا ہے: "مَاکَانَ اللّٰہُ لِیُضِیْعَ اِیمانکم") (۲۳) (اور اللہ ایسا نہیں کہ ضائع کرے تمہارا ایمان)

یہاں ایمان سے مراد وہ نمازیں ہیں جو تحویل قبلہ سے پہلے بیت المقدس کی طرف رخ کر کے پڑھی گئی تھیں، بعض مسلمانوں کو شبہ ہوا کہ بیت المقدس جب قبلۂ اصلی نہ تھا تو جو مسلمان اسی حالت میں مر گئے ان کے ثواب میں نقصان رہا، باقی زندہ رہنے والے تو آئندہ کو مکافات اور اس کا تدارک کرلیں گے اس پر مذکورہ آیت نازل ہوئی کہ جب تم نے بیت المقدس کی طرف نماز مقتضاء ایمانی اور اطاعتِ حکم خداوندی کے سبب پڑھی تو تمہارے اجر و ثواب میں کسی طرح کا نقصان نہ ڈالا جائے گا۔ (۲۴)

عبادات ذرائع بھی ہیں:

عبادات مقصود بالذات ہونے کے ساتھ اصلاح و تربیت کے بہترین ذرائع بھی ہیں۔ قرآن کریم میں عبادات کے جو اغراض و مقاصد بیان کیے گئے ہیں اور ان کے بارے میں بعض دوسرے جو احکام دیئے گئے ہیں وہ اس بات کے واضح دلائل ہیں۔

نماز اور صبر مدد کا ذریعہ:

سورۃ البقرۃ میں دوبار نماز اور صبر کے ذریعہ مدد چاہنے کا حکم دیا گیا ہے۔ ایک بار بنی اسرائیل کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا گیا:

"وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِوَالصَّلٰوۃِ"(۲۵)

(صبر اور نماز کے ذریعہ مدد لو)

دوسری بار مسلمانوں کو مخاطب کرکے فرمایا:

"يٰأَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا اسْتَعِيْنُوا بِالصَّبْرِوَالصَّلٰوۃِ"(۲۶)(اے ایمان والو! صبر اور نماز سے مدد لو اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے)

کسی چیز سے مدد کسی خاص مقصد کے لیے حاصل کی جاتی ہے اسی طرح جس چیز سے مدد لی جاتی ہے وہ خاص مقصد کے حصول کا ذریعہ بن جاتی ہے، وہ خاص مقصد کیا ہے جس کے لیے صبر اور نماز سے مدد لینے کا حکم دیا گیا ہے؟

مولانا امین احسن اصلاحی نے بھی آیت نمبر ۴۵ اور آیت ۵۳ کی بہت مفصل اور ایمان افروز تشریح کی ہے، پہلے اجمالاً انھوں نے یہ لکھا ہے:

"اوپر عہد الٰہی کو استوار کرنے کے لیے بنی اسرائیل کو جن باتوں کا حکم دیا ہے جن جن چیزوں سے روکا ہے ان کا اختیار کرنا یا ان سے بچنا نفس کیلئے نہایت شاق ہے اس وجہ سے وہ نسخہ بھی بتادیا جو اس مشکل کو آسان بناسکتا ہے۔ یہ نسخہ صبر اور نماز دو چیزوں پر مشتمل ہے ان دو چیزوں کے اختیار کرنے سے نفس کے لئے یہ چڑھائی آسان ہو جاتی ہے صبر کا تعلق اخلاق و کردار سے ہے اور نماز کا تعلق عبادات سے، انسان اگر مشکلات و موانع کے علی الرغم کسی صحیح موقف پر ڈٹے رہنے کی خصلت انسان میں آسانی سے پیدا نہیں ہوتی؛ بلکہ ریاضت سے پیدا ہوتی ہے جس کا طریقہ نماز ہے آدمی اگر صحیح راہ پر چلنے کا عزم کرلے اور اس پر چل کھڑا ہو اور ساتھ ہی برابر اپنے رب کو یاد رکھے اور اس سے مدد مانگتا رہے (جس کی بہترین شکل نماز ہے) تو اس کے عزم کی قوت ہزار گنی

بڑھ جاتی ہے کوئی مشکل سے مشکل حالت بھی اس کے پائے ثبات میں لغزش پیدا ہونے نہیں دیتی، اگر حالات کی نزاکت سے آدمی کے پاؤں لڑکھڑانے لگتے ہیں تو اللہ تعالیٰ سے اس کا وہ تعلق جو نماز سے پیدا ہوتا ہے اس کو گرنے سے بچالیتا ہے۔"(۲۷)

مذکورہ تفصیل سے معلوم ہوا کہ یہاں صبر کا جو حکم دیا ہے وہ اس لیے دیا ہے کہ اس وصف کو پیدا کیئے بغیر کوئی قوم اللہ کے عہد پر قائم نہیں رہ سکتی اور نماز کا حکم اس لیے دیا ہے کہ یہی چیز صبر کے پیدا کرنے اس کو ترقی دینے اور اس کو درجہ کمال تک پہنچانے کا وسیلہ اور ذریعہ ہے۔

سورۃ البقرۃ آیت ۱۵۳ کے تحت لکھتے ہیں:

"مشکلات و مصائب میں جس نماز کا سہارا حاصل کرنے کا یہاں ذکر ہے اس سے مراد ان پانچ وقتوں کی نمازیں ہی نہیں؛ بلکہ تہجد اور نفل نمازیں بھی ہیں؛ اس لیے کہ یہی نمازیں مومن کے اندر وہ روح اور زندگی پیدا کرتی ہیں جو راہِ حق میں پیش آنے والی مشکلات پر فتح یاب ہوتی ہیں، انہی کی مدد سے وہ مضبوط تعلق باللہ پیدا ہوتا ہے جو کسی سخت آزمائش میں بھی شکست نہیں کھاتا اور انہی سے وہ مقام قرب حاصل ہوتا ہے جو خدا کی معیت کا ضامن ہے جس کا اس آیت میں صابرین کے لیے وعدہ فرمایا گیا ہے۔(۲۸)

نماز سے استعانت دراصل اللہ سے استعانت ہے وہ پوری کائنات اور تمام ہنگامۂ ہست و بود کا معبود و مقصود بھی ہے اور تمام ذرائع و وسائل کا سرچشمہ بھی اس کی مدد کامیابیوں اور کامرانیوں کے حصول کا اصل ذریعہ اور وسیلہ ہے، اس کی مدد کے بغیر اس کے حضور ایک سجدہ بھی ادا نہیں کیا جاسکتا۔ "اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ"(۲۹)(ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد چاہتے ہیں) آیت کریمہ اس حقیقت کی گواہ ہے۔

نماز یادِ الٰہی کا ذریعہ:

عبادتِ رب اور اطاعتِ خالق میں سب سے بڑی رکاوٹ جو انسان کی راہ میں پیش آتی ہے وہ ہے غفلت اس سے نکالنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے نماز پنجگانہ فرض کیا تاکہ وہ ہر وقت اللہ کے حضور میں کھڑے ہو کر اپنے عہد ومیثاق کی تجدید کرتا رہے، نماز ہی کے بارے میں سورہ طٰہٰ آیت ۱۴ میں فرمایا گیا:

"وأقِمِ الصَّلٰوۃَ لِذِکْرِیْ"(۳۰) (اور میری یاد کے لیے نماز قائم کر)۔

اس آیت سے معلوم ہوا اللہ کی یاد کا بہترین ذریعہ نماز ہے، قرآن کریم میں ان کے علاوہ اور آیتیں بھی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان کو راہِ حق پر قائم رکھنے اور اس کی زندگی کو سدھارنے اور سنوارنے کا بہترین ذریعہ نماز ہے۔

روزہ حصولِ تقویٰ کا ذریعہ:

تقویٰ اللہ کے خاص بندوں کی ایک عظیم صفت ہے جو اللہ کو بہت ہی محبوب ہے پسندیدہ ہے، یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں جگہ جگہ اس کی اہمیت کو بتلایا ہے اور اس کو اختیار کرنے کا حکم دیا ہے، تقویٰ کیا ہے؟ تقویٰ دراصل نفس کی اس کیفیت کا نام ہے جو خدا ترسی اور احساسِ ذمہ داری سے پیدا ہوتی ہے اور زندگی کے ہر پہلو میں ظہور کرتی ہے حقیقی تقویٰ یہ ہے کہ انسان کے دل میں خدا کا خوف ہو عبدیت کا شعور ہو، وہ انسانی زندگی میں بھی صریح ممنوعات تو درکنار مشتبہ امور سے بھی اپنے آپ کو بچائے رکھے۔

ظاہر ہے کہ اتنی پسندیدہ چیز بغیر نفس کشی اور مجاہدہ کے حاصل نہیں ہو سکتی؛ اس لیے اللہ تعالیٰ نے بندوں پر رمضان کا روزہ فرض کیا؛ تاکہ وہ نفس کو رذائل سے پاک کر کے تقویٰ سے متصف ہو جائے اور اپنی آئندہ کی زندگی کو اسی روشنی میں گزارے۔ قرآن کریم میں روزہ کی فرضیت کا حکم دینے کے بعد اس کی حکمت بھی واضح کی گئی "لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ" **(تاکہ تم میں تقویٰ پیدا ہو)** اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حصولِ تقویٰ کا بہترین ذریعہ روزہ ہے۔

مولانا ابوالکلام آزاد ترجمان القرآن میں رقم طراز ہیں:

"روزے کے حکم سے یہ مقصود نہیں ہے کہ انسان کا فاقہ کرنا اور اپنے جسم کو تکلیف اور مشقت میں ڈالنا کوئی ایسی بات ہے جس میں پاکی و نیکی ہے؛ بلکہ تمام تر مقصود نفس انسانی کی اصلاح و تہذیب ہے۔ روزہ رکھنے سے تم میں پرہیز گاری کی قوت پیدا ہو گی اور نفسانی خواہشوں کو قابو میں رکھنے کا سبق سیکھ لو گے۔"(۳۱)

زکوٰۃ ذریعۂ تزکیہ:

اللہ کی یاد اور اس کے احکام کی اطاعت میں جو سب سے بڑی رکاوٹ انسان کی راہ میں پیش آتی ہے وہ مال کی محبت ہے یہ چیز انسان کے پیر کی بیڑی بن جاتی ہے، حبِّ دنیا کا سب سے بڑا مظہر مال ہے؛ اس لیے کہ مال ہی کے ذریعے انسان ظاہری شہرت حاصل کرتا ہے اور نفس جو بے راہ روی کی طرف لپکنے والا ہے مال ہی کے افراط سے بے اعتدالی کا شکار ہوتا ہے، اس کو حد اعتدال میں رہنے کے لیے اور مال کی محبت کو دل سے کھرچنے اور پاکیزہ بننے کے لیے اللہ تعالیٰ نے زکوٰۃ فرض کیا۔

فرمان باری تعالیٰ ہے:

"خُذْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيهِمْ بِهَا"(۳۲)

ترجمہ: (تم ان کے مالوں کا صدقہ قبول کرو اس سے تم ان کو پاکیزہ بناؤ گے اور ان کا تزکیہ کیا کرو گے)

حج ذکر و شکر اور تقویٰ کا ذریعہ:

حج اسلام کا پانچواں رکن ہے، اس کی ادائیگی میں مالی صرفہ بھی ہے اور جانی مشقت بھی، اس میں نفس کے تقاضوں کو ضبط میں رکھنے کی بھی مشقتیں ہیں؛ چنانچہ حج انتہائی جامع عبادت ہے اور اس میں تمام طاعات شامل ہوتی ہیں، سورۃ البقرۃ آیت ۱۹۷ سے معلوم ہوتا ہے کہ روزے کی طرح حج بھی تقویٰ کے حصول، اللہ تعالیٰ کی شکر گذاری اور اس کے ذکر کی مشق کا ذریعہ ہے، حالتِ احرام میں خصوصیت کے ساتھ ہر قسم کی شہوانی گفتگو ہر طرح کی بدکاری و بے راہ روی اور ہر قسم کے جھگڑے لڑائی کی ممانعت، نیز تقویٰ کو بہترین زادِ راہ قرار دینے اور آیت "**و اتَّقُوْنِ یٰاُولِي الأَلْبَاب(۳۳)(اے ہوشمندو! میری نافرمانی سے پرہیز کرو)** پر ختم کرنے کا مطلب ہی یہی ہے کہ فریضۂ حج میں حصولِ تقویٰ کا پہلو غالب ہے، اسی طرح حج میں شعائر اللہ کی تعظیم کے احکام دیئے گئے ہیں اور اس کی تعظیم و احترام کو تقویٰ القلوب (دلوں کا تقویٰ) قرار دیا گیا ہے، قربانی کا حکم دیا گیا ہے اور ساتھ ہی یہ بھی فرمادیا کہ اللہ تک گوشت اور خون نہیں پہنچتا؛ بلکہ تمہارا تقویٰ پہنچتا ہے، یہ سب کچھ اس بات کی دلیل ہے کہ حج مجموعی حیثیت سے تقویٰ اور ذکر الٰہی کا ذریعہ ہے۔

ارکان اربعہ کے بعد یہ بھی دیکھنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی بارگاہ میں باریابی و تقرب کے لیے عبادات و طاعات، اذکار و ادعیہ اور تمام نیکیوں کو وسیلہ قرار دیا ہے۔ سورۃ المائدۃ آیت ۳۵ میں بیان فرمایا ہے:

"**یاأَیُّہَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا اتَّقُوْا اللّٰہَ وَ ابْتَغُوا الَیْہِ الْوَسِیْلَۃَ وَجَاہِدُوْا فِي سَبِیْلِہ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ**"(۳۴)

(اے ایمان والو! ڈرتے رہو اللہ سے اور ڈھونڈو اس تک وسیلہ اور جہاد کرو اس کی راہ میں تاکہ تمہارا ہو) (ترجمہ شیخ الہند)

تفسیر ابن عباس کے وسیلے سے،، مجاہد، ابووائل، حسن وغیرہ جیسے اکابر سلف نے قربت کی ہے تو وسیلہ ڈھونڈنے کے یہ معنی ہوں گے کہ اس کا قرب و وصول تلاش کرو، قتادہ نے کہا: "**اَيْ تقرّبُوا اليه بطاعته والعمل بما يرضيه**" **خدا کی نزدیکی حاصل کرو اس کی فرماں برداری اور پسندیدہ عمل کے ذریعہ سے۔(۳۵)**

اس سے معلوم ہوا کہ تمام عبادتیں، طاعتیں، نیکیاں، اذکار و دعائیں رضائے الٰہی کے حصول اور اس کی بارگاہ میں تقرب کے ذرائع ہیں، عبادات کا بذاتِ خود مقصود ہونا اور ساتھ ہی کسی دوسری چیز کے لیے ان کا ذریعہ ہونا باہم اسی طرح پیوستہ ہے کہ ایک کو دوسرے سے جدا نہیں کیا جاسکتا ہے۔

اسلامی عبادات، انفرادی اصلاح و تربیت کے ذرائع بھی ہیں اور ان سے اجتماعی تربیت بھی حاصل ہوتی ہے، ان عبادات کو ادا کرنے میں شریعت نے اجتماعیت پیدا کرکے ان کو ہمہ جہتی ذریعۂ اصلاح بنادیا ہے اب ہمیں

اپنا محاسبہ کرنا چاہیے کہ عبادات سے جو مقاصد ہیں وہ ہمیں حاصل ہو رہے ہیں یا نہیں مثلاً نماز کے بارے میں ارشاد خداوندی ہے:

"انَّ الصَّلٰوۃَ تَنْہٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ"(۳۶)(بے شک نماز روکتی ہے بے حیائی اور بری بات سے) (ترجمہ شیخ الہند)

اس آیت کی تفسیر میں علامہ قرطبی فرماتے ہیں کہ: "نماز کا برائیوں سے روکنا دو معنی میں ہو سکتا ہے، ایک بطریق تسبب (ذریعہ) یعنی نماز میں اللہ تعالیٰ نے وہ خاصیت و تاثیر رکھی ہے جو نمازی کو گناہوں اور برائیوں سے روک دیتی ہے۔ جیسے دوا کا استعمال کرنا بخار وغیرہ امراض کو دور کرتا ہے، اس صورت میں یاد رکھنا چاہیے کہ دوا کے لیے ضروری نہیں کہ اس کی ایک ہی خوراک بیماری کو روکنے کے لیے کافی ہو جائے، بعض دوائیں خاص مقدار میں مدت تک التزام کے ساتھ کھائی جاتی ہیں اس وقت اس کا نمایاں اثر ظاہر ہوتا ہے بشرطیکہ مریض کسی ایسی چیز کا استعمال نہ کرے جو اس دواء کی خاصیت کے منافی ہو پس نماز بھی بلاشبہ بڑی قوی التاثیر دوا ہے جو روحانی بیماریوں کو روکنے میں حکم رکھتی ہے"(۳۷)

نماز کے علاوہ بھی جو دیگر عبادات ہیں اور ان کے جو مقاصد اوپر بیان کیے گئے ان کے بارے میں ہمیں جائزہ لینا چاہیے کہ ان کے جو مقاصد ہیں وہ ہمیں حاصل ہو رہے ہیں یا نہیں؟ اگر نہیں تو ہمیں حصول کی کوشش کرنی چاہیے۔

حوالہ جات

الموسوعۃ الفقہیہ: وزارۃ الاوقاف والشئون الاسلامیہ، الکویت، ص. ب. ۱۳، ص:۲۵۶، ج:۲۹۔ ۱-

۲-حوالہ بالا، ص:۲۵۷۔

۳-مودودی: سید ابوالاعلیٰ، تفہیم القرآن، مرکزی مکتبہ اسلامی، بار سوم: ۲۶۴/۲۔

۴-سورۃ البقرۃ:۲:۲۱۔

۵-ابن تیمیہ (م:۷۲۸ھ) العبودیۃ، المطبعۃ الحسینیہ المصریۃ ۲۳۳۲ھ۔

۶-مسلم، ابوالحسین مسلم بن حجاج بن مسلم قشیری، الامام، صحیح مسلم، س-ن، کتاب الایمان، حدیث نمبر: ۱۱۲

۷-آزاد: ابوالکلام، ترجمان القرآن: ساہتیہ اکادمی ۱۳۳/۲۔

۸-ڈاکٹر اسرار احمد: مطالبات دین، مکتبہ تنظیم اسلامی ۳۶/ کے ماڈل ٹاؤن لاہور، ص:۲۹۔

۹-مولانا سید ابوالاعلی مودودی: تفہیمات حصہ اول: اسلامک پبلی کیشنز، ۱۹۴۰، ص:۴۷

۱۰-مولانا سید ابوالاعلی مودودی: تفہیمات حصہ اول: اسلامک پبلی کیشنز، ۱۹۴۰، ص:۴۸,۴۹

۱۱-الزاریات ۵۱:۵۶

۱۲-الانبیاء۲۱:۱۹,۲۰

۱۳-الحج ۲۲:۴۱

۱۴-مولانا سید ابوالاعلی مودودی: تفہیمات حصہ اول: اسلامک پبلی کیشنز، ۱۹۶۰، ص:۶۶

.الزاریات ۵۱:۵۶۱۵۵

۱۶-الکھف ۱۸:۸

۱۷-الملک ۲:۶۷

۱۸- قرطبی: الجامع لاحکام القرآن: الہیئۃ المصریۃ العامۃ للکتاب: ۲۰۷/۱۸۔

۱۹-اصلاحی: امین احسن، تدبر قرآن، لاہور: ۵۰/۱۔

۲۰-توبہ ۹:۱۱۔

۲۱-مریم ۱۹:۵۵۔

۲۲-العلق ۹۶:۱۹۔

۲۳-البقرۃ ۲:۱۴۳۔

۲۴-عثمانی: علامہ شبیر احمد: ترجمہ شیخ الہند، ص:۲۸۔

۲۵-بقرۃ ۲:۴۵۔

۲۶-بقرۃ ۲:۱۵۳۔

۲۷-اصلاحی: امین احسن، تدبر قرآن، لاہور: ۱۴۵/۱۔

۲۸-بحوالہ بالا: ۳۳۵/۱۔

۲۹-فاتحہ ۴:۱۔

۳۰-طٰہٰ ۱۴:۲۰

۳۱- آزاد، ابوالکلام، ترجمان القرآن: ساہتیہ اکاڈمی: ۱۳۹/۲۔

۳۲-توبہ ۹:۱۰۳۔

۳۳-حج ۲۲:۱۹۷۔

۳۴-مائدۃ ۵:۳۵۔

۳۵- قرطبی، ابوعبداللہ محمد بن احمد بن ابوبکر، امام، تفسیر قرطبی: الجامع للاحکام القرآن: ج:۳، ص:۵۶۵

۳۶- عنکبوت ۲۹:۴۵۔

۳۷- عثمانی: شبیر احمد، شیخ الہند، تفسیر عثمانی، سورت عنکبوت کی آیت نمبر ۴۵، ص:۱۲۱۱۔